

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## اشارات

اس اشاعت سے ان صفحات میں قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کا ایک سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ ترجمہ جس نوعیت کا ہے اس کے لحاظ سے اسے ترجمہ کہنے کے بجائے ترجمانی کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ اس میں جس چیز کی کوشش میں نے کی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے قلب پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان جوں کا توں اپنی زبان میں منتقل کر دوں، اسلوب بیان میں ترجمہ پن نہ ہو، عوامی مہین میں جو کلام نازل ہوا ہے اس کی ترجمانی جہاں تک ممکن ہے اردوئے مہین میں ہو، اصل کلام کا فطری ربط آپ سے آپ ترجمہ میں نمایاں ہونا چاہئے، اور کلام الہی کے شاہانہ وقار، زور بیان، اور موقع و محل کے مطابق بدلتے ہوئے لہجے اور اسلوب کو بھی جہاں تک بس چلے اُردو میں منتقل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان اغراض کے لیے لفظی ترجمہ کی پابندیوں سے کلنا بہر حال ناگزیر تھا، اس لیے میں نے ترجمہ کے بجائے ترجمانی کا ڈھنگ اختیار کیا، البتہ انتہائی ممکن احتیاط کے ساتھ میں نے اس امر کا التزام کیا ہے کہ اصل عبارت کے الفاظ جس قدر مفہوم کے حامل ہوں اس سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ پھر مجرد ترجمانی سے ایک عام ناظر کے فہم قرآن میں جو کمی باقی رہ جاتی ہے اُسے پورا کرنے کے لیے میں نے مختصر تفسیری حواشی اور ہر سورت کے آغاز میں ایک مختصر مقدمہ کا اضافہ کیا ہے، اور ان میں ایک اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ آدمی کی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر صرف وہ باتیں بیان کر دی ہیں جن کا جاننا قرآن کے معنی و مدعا کو اچھی طرح سمجھنے

کے لیے ضروری ہے! اسی مناسبت سے میں نے اس کا نام "تفہیم القرآن" رکھا ہے کیونکہ اس سلسلہ کو شروع کرنے سے میرا مقصد عام لوگوں کو قرآن سمجھانا ہے۔

قرآن کے بارے میں کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اس کے پورے علم پر حاوی ہو گیا ہے، پھر بھلا بھجیے ایک قلیل البصاعت شخص کے لیے یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ وہ ہٹنا اپنے بل بوتے پر اس کتاب عظیم کی ترجمانی کر کے اسے ایک مختتم چیز کی حیثیت سے دنیا کے آگے پیش کر دے۔ اس لیے میں کتابی صورت میں اس کی اشاعت سے پہلے تنقید و مشورہ کے لیے اسے پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ رسالہ میں اس کی اشاعت کا سلسلہ شروع کرنے سے میری غرض یہی ہے کہ اہل علم و نظر حضرات بالخصوص اور عام ناظرین بالعموم اسے تنقیدی نظر سے ملاحظہ کریں اور جہاں کوئی غلطی یا فز و گداشت، یا ترجمانی و تفسیر میں کوئی تشنگی، یا کسی اعتراض و شبہ کی گنجائش پائیں انراہ کر مجھے اس پر متنبہ فرمادیں تاکہ نظر ثانی کے وقت میں ان کے مشوروں سے استفادہ کر کے اس چیز کو زیادہ سے زیادہ صحیح و معتبر اور مفید بنا سکوں۔ سر دست اس سلسلہ کو آخری تیار شدہ چیز نہ سمجھا جائے بلکہ محض ایک مسودہ کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ برادرانِ دینی سے میری درخواست ہے کہ وہ اس خدمت کی تکمیل میں میری مدد فرمائیں۔ جو اصحاب بھی اس میں میری اعانت کریں گے میں ان کا شکر گزار ہوں گا اور اگر کچھ لوگ ہمدردانہ مشورہ و صلاح کی جگہ طعن و تخریب کا طریقہ اختیار کرنا پسند فرمائیں تو ان کے ارشادات میں بھی جہاں کوئی بجا اعتراض دیکھوں گا اس سے استفادہ کرنے اور ان کی عنایت کا شکریہ ادا کرنے میں انشاء اللہ مجھے تامل نہ ہوگا۔

جہاں تک ترجمہ قرآن کا تعلق ہے، یہ خدمت بہترین طریقہ پر اس سے پہلے متعدد بزرگ انجام دے چکے ہیں اور اس راہ میں اب کسی فریدہ کوشش کی ضرورت بظاہر نظر نہیں آتی۔ فارسی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور اردو میں شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب، مولانا محمود الحسن صاحب، مولانا اشرف علی صاحب اور بعض دوسرے حضرات کے تراجم اس غرض کے لیے بالکل کافی ہیں کہ ایک شخص ان کے

ذریعہ سے کلام اللہ کا لفظی مفہوم ٹھیک ٹھیک معلوم کر لے۔

یہ ترجمے بجائے خود اپنا ایک فائدہ، اور عظیم فائدہ رکھتے ہیں۔ پابندی الفاظ کے ساتھ صحیح ترجمہ کی ضرورت بہر حال ہے اور باقی رہے گی۔ اس سے جو فائدہ وابستہ ہے وہ کسی دوسرے طریقہ سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اس ترجمانی سے میرا یہ مدعا بھی نہیں ہے کہ لوگوں کو لفظی ترجموں سے بے نیاز کر دیا جائے حتیٰ کہ ان سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔

دراصل جو کچھ میرے پیش نظر ہے وہ صرف یہ ہے کہ فہم قرآن کے سلسلہ میں بعض اہم ضرورتیں لفظی ترجموں سے پوری نہیں ہوتیں اور نہیں ہو سکتیں انہیں اس ترجمانی کے ذریعہ سے پورا کیا جائے۔ الفاظ کی پابندی کے ساتھ جو ترجمے کیے گئے ہیں ان کا اصل فائدہ یہ ہے کہ ناظر کو ہر آیت کے مقابلہ میں اس کے لفظ لفظ کا مفہوم معلوم ہو جاتا ہے اور کم و بیش آیت کا مطلب بھی سمجھ میں آجاتا ہے، لیکن اس فائدہ کے ساتھ چند پہلو نقصان کے بھی ہیں جن کی کسر پوری کرنا پابندی الفاظ کے ساتھ ممکن نہیں ہے اور اس ضمن کے لیے بہر حال ایک دوسری نوعیت کی کوشش ناگزیر ہے۔

سب سے پہلی چیز جو ایک لفظی ترجمہ کو پڑھتے وقت محسوس ہوتی ہے وہ روانی عبارت، زور بیان، بلاغت زبان اور تاثیر کلام کا فقدان ہے جس کی وجہ سے ترجمہ پڑھنے اور سننے والے کی روح کبھی وجد میں نہیں آتی، اس کے رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری نہیں ہوتے، اس کے جذبات میں طوفان برپا نہیں ہوتا اور اُسے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کوئی چیز عقل و فکر کی قوتوں کو منحرف و مفتوح کرتی ہوئی تیر کی طرح دل و جگر تک پیوست ہوتی چلی جا رہی ہے۔ وہ قرآن کی سطروں کے نیچے ایک ایسی بے جان جگتا دیکھتا ہے جو لفظی ترجمہ کی پھلتی سے گزرنے کے بعد محض دوا کے خشک اجزا ہی لیے ہوئے نکلتی ہے اور ادب کی وہ تیز و تند اسپرٹ اس میں سے بالکل اڑ جاتی ہے جس کے اندر دوا کو اس لیے حل کیا گیا تھا کہ وہ اُسے لے کر قلب روح کی گہرائیوں تک پہنچ جائے۔ غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ یہ کمی کوئی معمولی کمی نہیں ہے۔

قرآن کی تاثیر میں اس کی بلند تعلیم اور اس کے عالی قدر مضامین کا جتنا حصہ ہے اس کے نزدیک بیان کا حصہ اس سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہی تو وہ چیز ہے جو سنگ ل سے سنگ ل آدمی کا دل کھلا دیتی تھی، جس نے بجلی کے کڑکے کی طرح ادھر سے ادھر تک تمام سرزمین عرب کو ہلادیا تھا جس کی قوت تخیل کا لوہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین مخالفت تک مانتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ لوگ اس کلام کو نہ سنیں کیونکہ اس کی جادو بیانی سے انھیں ڈر لگتا تھا کہ جو اسے سنے گا وہ بالآخر اس کے آگے نقد دل ہار بیٹھے گا۔ یہ چیز اگر قرآن میں نہ ہوتی، اگر وہ اسی طرز کی زبان میں نازل ہوا ہوتا جو ہمیں اس کے ترجموں میں نظر آتی ہے تو یقیناً اسے اہل عرب کے دلوں کو گرا مانے اور نرمانے میں وہ کامیابی حاصل نہ ہوتی جو فی الواقع حاصل ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن کی بلاغت اعجازی بلاغت ہے اور کسی انسان کے بس میں نہیں ہے کہ اس کے معانی و مطالب کو اسی شان کے ساتھ اپنی زبان میں ادا کر سکے جس کے ساتھ وہ قرآن میں ادا کیے گئے ہیں۔ لیکن جہاں تک ہمارے بس میں ہے، ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی ترجمانی ایسے طرز سے کریں جو دلوں میں نفوذ کرنے والا ہو۔ اس کے بغیر وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے جو قرآن کے مطالب کو کسی دوسری زبان میں نقل کرنے سے مقصود ہیں۔

قرآن کے تراجم سے طبائع کے پوری طرح متاثر نہ ہو سکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ترجمے بالعموم بین السطور درج کیے جاتے ہیں، یا نئے طرز کے مطابق صفحے کو دھجھوں میں تقسیم کر کے ایک طرف کلام اللہ کی عبارت ہوتی ہے اور اس کے بالمقابل ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ لفظی ترجمہ کے لیے یہ طریقہ ضروری اور مین مناسب ہے کیونکہ اس کی غرض ہی یہ ہے کہ تلاوت کے ساتھ ساتھ آدمی یہ بھی معلوم کرتا جائے کہ جو کچھ وہ پڑھ رہا ہے اس کا مطلب کیا ہے۔ لیکن اس میں جہاں فائدہ کا یہ پہلو ہے وہیں نقصان کا بھی ایک پہلو ہے اور وہ یہ ہے کہ پڑھنے والا ترجمہ کی عبارت کو اس طرح پوری توجہ کے ساتھ مسلسل نہیں پڑھ سکتا جس طرح وہ دوسری کتابوں کو پڑھتا ہے، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس آسانی کے ساتھ وہ دوسری

کتبوں کے مطالعہ سے اثر قبول کرتا ہے وہ آسانی اُسے ترجمہ قرآن سے اثر لینے میں محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ایک اجنبی زبان کی جبارتیں بار بار اس کے مطالعہ کی راہ میں حائل ہوتی رہتی ہیں۔ انگریزی ترجموں میں اس سے بھی زیادہ بے اثری پیدا کرنے کا ایک سبب یہ ہے کہ بائبل کے ترجمہ کی پیروی میں قرآن کی ہر آیت کا ترجمہ الگ الگ نمبر وار درج کیا جاتا ہے۔ آپ کسی بہتر سے بہتر مضمون کو لے کر ذرا اس کے فقرے فقرے کو الگ کر دیجیے اور بروہ عبارت کی شکل میں رکھنے کے بجائے انہیں اوپر نیچے نمبر وار لکھنے جائیے، پھر اسے پڑھ کر دیکھیے، آپ کو خود محسوس ہو جائے گا کہ بروہ اور مسلسل عبارت سے جو اثر آپ کے ذہن پر پڑتا تھا اس سے آدھا اثر بھی ان جدا جدا فقروں کے مطالعہ سے نہیں پڑتا۔

اس نقصان کی تلافی کے لیے مناسب صورت یہی ہو سکتی ہے کہ لفظی ترجمہ بدستور اسی طرح پیش کیا جائے جس طرح اب تک کیا جا چکا ہے، مگر اس کے ساتھ انہی مطالب کی ترجمانی ایک مسلسل عبارت کی شکل میں بھی ہوتا کہ لفظ لفظ اور آیت آیت کا ترجمہ معلوم کر لینے کے بعد آدمی اس ترجمانی کو بالکل اسی طرح پڑھ سکے جس طرح وہ کسی کتاب کو پڑھا کرتا ہے۔ ”تفہیم القرآن“ کو کتابی صورت میں شائع کرنے کی نوبت جب آئے گی تو انشاء اللہ قرآن مجید کی اصل عبارت مع ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب س کے ساتھ شامل کر دی جائے گی تاکہ بیک وقت دونوں فائدے حاصل کیے جا سکیں۔

قرآن کے لفظی ترجمہ میں نقص کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں کلام کا ربط اچھی طرح واضح نہیں ہوتا بلکہ اکثر مقامات پر بے بطنی اتنی نمایاں ہو جاتی ہے کہ پڑھنے والے کو سخت الجھن ہونے لگتی ہے۔ اہل ایمان تو یہ خیال کر کے اپنے دل کو تسکین سے لیتے ہیں کہ یہ کلام غما غما نازل ہوا ہے لہذا ایک آیت کا دوسری آیت سے اور ایک بیان کا دوسرے بیان سے تعلق ہونا ضروری نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ قرآن کے کلام الہی ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے اُن پر کلام کا یہ رنگ دیکھ کر اٹھا اثر پڑتا ہے، کیونکہ خدا تو درکنار معمولی انسان کے کلام میں بھی اگر بے بطنی پائی جائے تو سننے اور پڑھنے والے پر کبھی اچھا اثر نہیں پڑ سکتا۔

اس نقص کو لفظی ترجمہ سے ڈوکرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اور ربط کلام کو مصنوعی طریقہ سے بیان کرنے کی جو کوششیں کی گئی ہیں اور کی جا رہی ہیں وہ اس سے بھی زیادہ غیر مفید ہیں، کیونکہ ان کو دیکھ کر تو صریح طور پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اللہ میاں کی بات بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ دراصل ربط کلام اور صرف ربط ہی نہیں بلکہ کلام کی روح کو بھی پوری طرح واضح کرنے کے لیے تین باتوں کا لحاظ کرنا ضروری ہے جن کی طرف ہم یہاں مختصر طور پر اشارہ کریں گے۔

پہلی چیز جسے نظریں لکھنا نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کا طرز بیان تھوڑی سی نہیں بلکہ تقریری ہے۔ اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ کلام لکھے ہوئے رسالوں کی شکل میں نہیں آتا تھا بلکہ فرشتہ اگر دُوبدو زبان پر پیغام ادا کرتا تھا۔ اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان پیغامات کو مضامین اور سوا کی صورت میں شائع نہیں فرماتے تھے بلکہ زبانی خطبوں کی صورت میں بیان کرتے تھے۔ تحریر کی زبان اور تقریر کی زبان میں فطری طور پر بہت فرق ہوتا ہے۔ مثلاً تقریر میں ایک شبہ کو بیان کر کے اسے رفع کیا جاتا ہے مگر تقریر میں شبہ کرنے والے خود سامنے موجود ہوتے ہیں اس لیے ان کے شبہ کو نقل کرنے کے بجائے سلسلہ کلام ہی میں ان کو جواب دے دیا جاتا ہے۔ تحریر میں سلسلہ کلام سے الگ مگر اس سے قریبی تعلق رکھنے والی کوئی بات بیان کرنی ہو تو اس کو جملہ مقررہ کے طور پر نمایاں علامات کے ساتھ لکھا جاتا ہے تاکہ بطلٹھنے نہ پائے لیکن تقریر میں صرف اجمالاً اور خطاب کا تغیر ایک جملہ مقررہ کو سلسلہ کلام سے باسانی الگ کر دیتا ہے۔ تحریر میں بیان کا تعلق ماحول سے جوڑنے کے لیے الفاظ سے کام لینا پڑتا ہے، لیکن تقریر میں ماحول خود ہی بیان سے اپنا تعلق جوڑ لیتا ہے اور ماحول کی طرف اشارہ کیے بغیر جو باتیں کہی جاتی ہیں ان کے درمیان کوئی خلا محسوس نہیں ہوتا کیونکہ اس خلا کو تو ماحول خود ہی بھر رہا ہوتا ہے۔ اب اگر آپ کو کسی تقریری بیان کی ترجمانی تحریر کی صورت میں کرنی ہو تو آپ کے لیے ناگزیر یہ ہے کہ کلام کے الفاظ کی پابندی سے ذرا آرا دو کہو تحریر و تقریر کے متدرجہ بالا فرق کو کبھی طرح سمجھتے ہوئے، بیان میں اس حد تک تغیر و تبدل کر دیں جس حد تک

اس تقریر کو تحریر کی شکل میں ڈھالنے کے لیے فطرتاً ضروری ہے۔ اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو حاشیہ سے مدد لے کر اس فلا کو پُر کریں۔ ورنہ اسے جوں کا توں پیش کر دینا پڑھنے والے کے لیے لامحالہ الجھن کا موجب ہوگا۔ مثال کے طور پر دیکھیے، سورۃ بقرہ کے تیسرے رکوع میں قرآن کے کلام الہی ہونے کا ثبوت پیش کرنے کے بعد ان لوگوں کے انجام کا فرق بتایا گیا ہے جو اس کتاب پر ایمان لائیں اور جو اس کا انکار کر دیں۔ پھر یکایک ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْسِبُ اَنْ يُفْتَرَبَ عَلَيْهِ مَثَلًا مَّا بَعُوْصَةً كَمَا ذُوْقَهَا (اللہ اس سے نہیں شرماتا کہ پھر یا اس سے بھی تعقیر کسی چیز کی مثال دے) یہاں منکرین قرآن کے ایک شبہ کو نقل کیے بغیر اس کا جواب دیا گیا ہے۔ تقریر میں اس سے کوئی بے ربطی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن اگر تحریر میں اس جواب کو کسی نمایاں علامت کے ساتھ اوپر کے سلسلہ کلام سے تیز نہ کیا جائے اور اس شبہ کی کبھی طور پر تصریح نہ کر دی جائے جس کا جواب اس جملہ میں دیا گیا ہے تو پڑھنے والا ضرور بے ربطی محسوس کرے گا۔

یاشملہ سورۃ قیامہ کو دیکھیے۔ بوجہ بعد الموت کا اثبات اور منکرین شتر کو تنبیہ کرتے کرتے یکایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِ لَسَانًا لَّعَنَّا لِنَجْعَلَ بِهِ ، اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَ قُرْآنَهُ ، فَاِذَا قُرْآنُكُمْ فَتُجْعَلُ لَهُ ، ثُمَّ اَنْ عَلَيْنَا بَيَانُهُ (اسے یاد کرنے کی فکر میں جلدی جلدی اپنی زبان کو حرکت نہ دو، ہم ذمہ لیتے ہیں کہ اس مضمون کو جمع کر کے تمہیں پڑھ کر سنادیں گے، اُس وقت جب ہم پڑھیں تو تم بھی ہمارے ساتھ ساتھ پڑھتے جانا، پھر اس کی تشریح کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے) اس کے بعد کَلَّا بَلْ تُجْبَوْنَ الْعَاجِلَہٗ سے پھر وہی سلسلہ تقریر شروع ہو جاتا ہے وَ كَذُوْا لْفِيْ مَعَاذِ رَبِّكَ اَنْ يُّرْوٰتْهَا یہاں اگر ان جملہ ہائے معترضہ کو جو تقریر کے درمیان آگئے ہیں، ایسا ہی عبارت سے تیز نہ کیا جائے اور یہ تصریح نہ کر دی جائے کہ نزول وحی کے دوران میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے الفاظ یاد کرنے کی کوشش کرتے دیکھ کر یہ جملے بطور فمائش کے ارشاد ہوئے ہیں اور رسول امین نے ان کو بھی جوں کا توں نقل کر دیا ہے تو یقیناً وسط کلام میں چند بظاہر بالکل غیر متعلق جملے دیکھ کر ناظر کا ذہن الجھے بغیر نہ رہ سکے گا۔

یا مثلاً سورہ آل عمران میں تیرھویں رکوع سے اٹھارویں رکوع تک جنگ اُحد پر جو مسلسل تبصرو کیا گیا ہے اُسے پڑھیے۔ یہاں طرز بیان یہ ہے کہ ایک ایک دو دو فقروں میں جنگ کے مختلف اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، منافقین، کفار، ضعیف الایمان لوگ، مومنینِ نخلصین، نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور بحیثیت مجموعی مسلم جماعت سب زیر بحث آئے ہیں۔ خطاب کبھی کسی کی طرف پھرتا ہے تو کبھی کسی کی طرف۔ جگہ جگہ ایسے امور کی طرف اشارے آتے ہیں جو صراحت کے ساتھ مذکور نہیں ہیں۔ یہ پورا خطبہ اُس ماحول میں بالکل مربوط تھا جس میں یہ ارشاد فرمایا گیا تھا کہ نو کھاس کے مختلف فقروں کے درمیانی خلا کو خود ماحول پُر کر رہا تھا اور الفاظ سے اُس خلا کو پُر کرنا نہ صرف بے محل اور لاماصل تھا بلکہ اگر ایسا کیا جاتا تو یہ شاہانہ تبصرہ کے بجائے وقائع نگار کا تاریخی بیان بن جاتا۔ لیکن اب اس کا لفظ بلفظ ترجمہ جو شخص تحریر کی صورت میں پڑھے گا اسے پورا کلام غیر مربوط نظر آئے گا۔ اس کی صحیح ترجمانی کے لیے اب یہ ناگزیر ہے کہ مستند روایات کی مدد سے ترجمان خود اس ماحول کو اپنے سامنے حاضر کرے اور اس کی تفصیلات کو پیش نظر رکھ کر آیات کے درمیانی خلا کو اس طرح بھرتا جائے کہ شاہانہ تبصرہ کی شان میں فرق نہ آئے۔

دوسری اہم چیز جسے ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کے بکثرت مقامات اپنے پس منظر سے نہایت گہرا تعلق رکھتے ہیں اور کلام کی پوری ترکیب اس پس منظر کے ساتھ کچھ اس طرح مربوط ہے کہ اگر اس سے الگ کے محض کلام کے الفاظ کو دیکھا جائے تو ساری تقریر بے ربطی محسوس ہونے لگتی ہے۔ ایسے مواقع پر جب تک ہم لفظی ترجمہ کی حدود سے نکل کر کلام کا تعلق ٹھیک ٹھیک اس کے پس منظر کے ساتھ جوڑ نہ دیں، ہم کسی طرح اس بے ربطی کو دور نہیں کر سکتے جو مجرد ترجمہ الفاظ پیش کرنے کی صورت میں بظاہر نظر آتی ہے۔

اس کی توضیح کے لیے ہم سورہ غاشیہ کو مثال میں پیش کریں گے۔ یہ سورہ بغیر کسی تہید کے اچانک اس سوال سے شروع ہوتی ہے کہ "تمہیں اُس چھا جانے والی آفت کی بھی کچھ خبر ہے؟" پھر اس آفت کے دن کی مختصر کیفیت بیان کی جاتی ہے کہ اس میں ایک گروہ ایسی اور ایسی تکلیفوں میں مبتلا ہو گا اور دوسرے گروہ اس طرح



عیش کرے گا۔ اس کے بعد کثرت کلام کا رخ بدلتا ہے اور پے درپے چار سوالات کیے جاتے ہیں ”یہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا بنا یا گیا ہے؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کیسا بلند کیا گیا ہے؟ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کیسے جمانے گئے ہیں؟ زمین کو نہیں دیکھتے کیسی پھیلائی گئی ہے؟“ پھر یہ سلسلہ کلام بھی صرف انہی سوالات پر ختم ہو جاتا ہے اور کسی مزید گفتگو کے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے کہ ”خیر، تم نصیحت کیے جاؤ، تم محض نصیحت کرنے والے ہو، ان پر کو تو ال نہیں ہو۔۔۔۔۔“۔ اب گراں سورۃ کا نثر لفظی ترجمہ کوئی دیکھے تو اسے پورے مضمون میں تین مختلف مضمون نظر آئیں گے جن کا باہمی ربط سمجھنا اس کے لیے مشکل ہو گا لیکن اگر اسی مضمون کو اس کے پس منظر کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو یہ نہایت بر محل، متناسب اور مرتب کلام معلوم ہو گا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ اللہ کے نبی کو توحید اور بندگی رب کی طرف دعوت دیتے ہوئے کافی مدت گزر چکی ہے، اس نے ہر ممکن طریق استدلال سے لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ شرک خلاف حقیقت ہے اور نظام کائنات ایک ہی اللہ اور ایک ہی رب کے زیر حکم ہے، وہ اپنی قوم کو اوہام کی پیروی سے روکنے اور حقیقت کے اتباع کی طرف لانے کی ان تھک جدوجہد کرتا رہا ہے، مگر لوگ کچھ اس طرح دنیا کی زندگی میں مستغرق اور آخرت کے نتائج سے غافل ہیں کہ اس کی کوئی نصیحت ان پر اثر نہیں کرتی اور ان کی یہ حالت دیکھ کر اس کا دل ٹوٹا جا رہا ہے۔ اس صورت حال میں اوپر سے پیغام آتا ہے کہ تمہیں اس وقت کی بھی کچھ خبر ہے جب ایک عالمگیر آفت تمام جہان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور عیدِ شقی کا انجام صاف کھل جائے گا۔ آج جو چہرے خلسے بے خوف، دنیا کی زندگی میں مگن نظر آتے ہیں، اس وقت ہی چہرے اترے ہوئے ہوں گے اور سخت مصیبت کی زندگی ان کو تھکا مائے گی۔ اور آج جن چہروں پر خدا ترسی چھانی ہوئی ہے، یہی چہرے اس وقت ترقوازہ اور عیش جاودانی میں مگن ہوں گے۔ اس طرح چو نکا دینے والے انداز میں آنے والی گھڑی کی اچانک خبر دے کر فرمایا جاتا ہے کیا یہ لوگ اندھے ہیں؟ اونٹ، آسمان، پہاڑ، زمین، سب کچھ رات دن دیکھتے ہیں اور پھر بھی ان چیزوں کی ساخت اور ان کے نظام کاریں انہیں اس تعلیم کی صداقت کا ثبوت نظر نہیں آتا جو تم دے رہے ہو؟

اللہ کی یہ آیات جو ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں، کیا یہ وحدت الوہیت و ربوبیت کی شہادت دینے کے لیے کافی نہیں ہیں؟ پھر اپنے نبی سے ارشاد ہوتا ہے کہ اچھا، یہ نہیں دیکھتے تو نہ دیکھیں، تم اپنا فرض ادا کیے جاؤ تمہارا کام سمجھانا ہے، کوئی نہ سمجھے تو اس کے اندر زبردستی ایمان اتار دینا تمہارا کام نہیں ہے۔ جو نہ مانے گا اور تمہاری پیروی سے منہ موڑے گا وہ پلٹ کر تو بہر حال ہمارے ہی پاس آئے گا، پھر ہم خود اس کا حساب چکا دیں گے۔

دیکھیے، اس پس نظر میں سورہ کاغفوں کس طرح چمک اٹھتا ہے اور اس روشنی میں سورۃ کی تہید مرکزی تقریر اور خاتمہ کے درمیان کس قدر نفیس اور کتنا محکم ربط نظر آنے لگتا ہے۔

تیسری چیز جو اس سلسلہ میں بڑی اہمیت رکھتی ہے وہ قرآن کی مخصوص اصطلاحی زبان کی رعایت ہے۔ قرآن کے بکثرت الفاظ اپنے نومی مفہوم سے بہت زیادہ وسیع معنویت اپنے اندر رکھتے ہیں اور ان میں یہ معنویت قرآن کے اندر بیان اور طریق استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ ان الفاظ کے معانی میں وسعت پیدا کرنے کے بعد قرآن نے ان کو مختلف مواقع پر مختلف ضمنی مفہومات میں استعمال کیا ہے اور یہ بات سیاق و سباق پر غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے کہ ایک لفظ کے ضمنی مفہومات میں سے کس مقام پر کونسا مفہوم مراد ہے۔ لفظی ترجمہ کے التزام کی صورت میں اس کے سوا چارہ نہیں کہ لفظ کو یا تو جوں کا توں رکھ دیا جائے، یا لغت کے اعتبار سے اس کا جو ترجمہ ہو سکتا ہو وہی درج کیا جائے، لیکن اس سے نہ صرف یہ کہ معانی قرآن کی وسعتیں اور نزاکتیں پوری طرح سامنے نہیں آتیں جو ان اصطلاحی الفاظ میں مضہوں، بلکہ اکثر مقامات پر ترجمہ پڑھنے والے کو سیاق عبارت میں ایک بے محل لفظ دیکھ کر سخت الجھنوں اور غلط فہمیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً ایک لفظ کفری کو لے لیجیے جسے قرآن نے عدم ایمان کی بہت سی مختلف حالتوں کے لیے ایک ہی جامع اصطلاح کے طور پر استعمال کیا ہے۔ کہیں اس سے مراد مکمل غیر ایمانی حالت ہے، کہیں یہ تجر و انکار کے معنی میں آیا ہے، کہیں اس سے محض ناشکری و احسان فراموشی مراد لی گئی ہے، کہیں مقتضیات

ایمان میں سے ایک یا چند کو پورا نہ کرنا مراد ہے، کہیں اعتقادی اقرار مگر عملی انکار یا نافرمانی کے لیے یہ لفظ بولا گیا ہے، کہیں ظاہری اطاعت مگر باطنی بے اعتقادی پر اس کا اطلاق ہوا ہے، اور کہیں کفر کا لفظ عام کافرانہ طرز عمل کے بجائے کسی خاص چیز کے نہ ماننے کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو قریب ہی سابق عبارت میں کسی جگہ مذکور ہوتی ہے۔ اب اگر ہم ہر جگہ ترجمہ میں کفر کا لفظ جوں کا توں لکھ دیں، یا کسی ایک لفظ مثلاً کفار وغیرہ کو اس کے ترجمہ کے طور پر لکھتے چلے جائیں، تو بلاشبہ ترجمہ اپنی جگہ صحیح ہوگا لیکن اول تو ناظرین پر مطلب پوری طرح واضح نہ ہو سکے گا اور مزید براں بعض مواقع پر سلسلہ کلام میں اس لفظ کی مناسبت بھی لوگوں کی نگاہ میں نہ آسکے گی پس قرآنی مطالب کی تفہیم اور ربط عبارت کی توضیح کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ ایسے وسیع المعنی اصطلاحی الفاظ کا ترجمہ کرنے کے بجائے اس امر کی کوشش کی جائے کہ ہر جگہ موقع محل کے لحاظ سے ان کا مفہوم ادا کیا جائے اور جن اصطلاحات کی تعبیر کسی ایسے طریقہ سے ممکن نہ ہو کہ ترجمانی کا حُسن اور کلام کی فصاحت برقرار رکھی جاسکے، ان کو بعینہ نقل کر کے دوسرے طریقوں سے تفہیم کی سعی کی جائے۔

ان امور کے ذکر سے میرا مقصد لفظی ترجمہ کی اہمیت گھٹانا نہیں ہے بلکہ اللہ کے بندوں تک اللہ کے کلام کی تعلیمات پہنچانے میں جو کوششیں ہوتی ہیں اس کی اہمیت واضح کرنا ہے۔ میں شک نہیں کہ بعض بزرگوں نے اردو زبان میں فقہ و فہم و تفسیر لکھ کر یہ کوشش کی ہے، اور حال میں ترجمانی کے طرز پر بھی بعض کوششیں کی گئی ہیں، لیکن ان مساعی کو عزت و وقعت کے ساتھ دیکھنے کے باوجود میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ عام غیر عربی داں ناظرین، بلکہ بہت سے عربی داں ناظرین کی بھی بعض ضروریات بھی ایسی رہ جاتی ہیں جو ان سے بوری نہیں ہوتیں جیسا احساس مجھے ایک مدت سے تھا، مگر اپنی بے بضاعتی اور اس کام کی عظمت و نزاکت کو دیکھ کر بہت نہ پڑتی تھی۔ میں دعا کرتا رہا کہ کوئی مجھ سے بہتر شخص بلکہ بالغ نظر شخص کا ایک گروہ اس خدمت کی طرف توجہ کرے، لیکن جہاں تک مجھے علم ہے ابھی تک کہیں اس خاص پہلو سے قرآن کی خدمت انجام دینے کا خیال پیدا نہیں ہوا ہے۔ دوسری طرف میں دیکھ رہا ہوں کہ قرآن کے علم کو اس طریقہ سے پیش کرنے کی ضرورت بڑھتی اور شدید تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ انکار

محض اللہ کے بھروسہ پر میں نے ایک نہایت نازک وقت میں اس کام کا غم کیا ہے جب اس کام کو دیکھتا ہوں تو ترجمہ و تفسیر دونوں کی بنسبت ترجمانی کی ذمہ داری زیادہ سخت نظر آتی ہے کیونکہ اس میں ہر آن یہ خطرہ ہے کہ کلامِ الہی کی غلط تعبیر کر کے آدمی اجر کے بجائے کہیں اُلٹا و زرنہ مول لے لے جب اپنے آپ کو کوتاہا ہوں تو اس بھاری ذمہ داری کے مقابلہ میں بہت ہلکا پاتا ہوں جب گرد و پیش کے حالات پر نظر ڈالتا ہوں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک برس رانحطاط اور اخلاقی حیثیت سے گری ہوئی قوم میں، جو فتنوں کے غم میں دیوانی ہو رہی ہے، جسے فتنہ کہیں نہ بلے تو کوشش کر کے اسے خود پیدا کرتی ہے جس کی کج نگاہی و کج فہمی اتنی بڑھ چکی ہے کہ لاشی میں بھی کبھی ہی ڈھونڈتی ہو، ایسا کوئی اقدام کرنا گویا جنگل کے تمام کانٹوں کو اُٹھنے کی دعوت دینا ہے۔ مگر جب اس طرف نگاہ جاتی ہے کہ بدلت کے پیمانے سے بندوں تک کلام اللہ کا فیض پہنچانے کے لیے اس نوعیت کی ایک کوشش بالکل ناگزیر ہو چکی ہے اور تبلیغ دین کی راہ میں اس سے مدد لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے تو میرا فیہ فیصلہ کرتا ہے کہ جو کچھ تو خود کر سکتا ہے اس کے کرنے میں ہرگز دریغ نہ کر اور جو کچھ تیری قدرت سے بالاتر ہے اس کے لیے اللہ کی مدد پر بھروسہ کرو، وہی نورِ علم دینے والا ہے، وہی مشکلیں آسان کرنے والا ہے، وہی کامیابی کے اسباب فراہم کرنے والا ہے، وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا

از روئے قاعدہ مارچ میں جماعتِ اسلامی کا اجتماع عام منعقد ہونا چاہیے تھا۔ لیکن جنگ کی وجہ سے وضعِ طرہی حالات ملک میں پیدا ہو چکے ہیں ان کی وجہ سے یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس وقت اجتماع عام کو ملتوی کر کے صرف اہل حل و عقد کی مجلسِ شوریٰ منعقد کرنی جائے چنانچہ فروری کے آخری ہفتہ میں مجلس منعقد ہوئی جن جن حضرات کو دعوت دی گئی تھی، الحمد للہ کہ وہ سب شریعت لے آئے تھے۔ صرف جنوبی ہند کے ارکانِ شوریٰ تلبت و تلت اور تجدیدِ مقام کی وجہ سے نہ پہنچ سکے۔ شہر کار کی تعداد ۱۶۰ تھی جن امور پر غور کیا گیا وہ حسبِ ذیل تھے:

(۱) تشکیلِ جماعت کے بعد سے اب تک جس قدر کام ہوا ہے اس پر چل چلے ہلوں سے تنقید۔

(۲) آئندہ کے لیے کام کو آگے بڑھانے کی تدبیریں۔

(۳) جنگ کی آگ ملک کے اندر پہنچ جانے کی صورت میں جماعت کا طرز عمل۔

تین روز تک اجتماع رہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ جلد امور کا حل اتفاق رائے سے ملے ہوئے تفصیلی کارروائی تو مقامی جماعتوں کو بھیجی جا رہی ہے، اور آئندہ ان صفحات میں بھی اس کے شجاعت حسب موقع پیش ہو رہی ہیں، مگر سردست آخری مسئلہ کے متعلق مختصراً کچھ بیان کر دینا ضروری ہے۔

یہ جنگ اصل بنی نمایاں علامات کی بنا پر انسانیت کے لیے ایک عذابِ الہی ہے اور یہ رب العالمین کے ساتھ شرک کرنے کی لازمی مشابہت ہے جو جنات و سرکشی کی حد پہنچنے کے بعد نافذ ہوتی ہے۔ قرآن ہی میں معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کو دیکھ لینے کے بعد توبہ کرنا لاعمل ہوتا ہے، لہذا قبل اس کے کہ یہ عذاب سر پائے، ہر شخص کو جو نفسیوں و مہذبین کے ہے انجام سو دو چار ہر ضابطہ نہیں چاہتا، اعتقاد اور عمل دونوں کے شرک و تیرگی کوئی چاہے اور اب تک جو کچھ ہو چکا ہے اس پر استغفار کرنے کے ساتھ آئندہ کے لیے اپنے حقیقی رب کی بندگی و اطاعت و شریعتِ قدیمہ کو اپنایا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کے نتیجہ میں آفات جنگ و کامل تحفظ نصیب کی ہو جائے، بلکہ وہ تقابین و ظالمین کے درمیان رہنے کے جواز قی متنازع ہیں، ان کو پھینکا بہر حال مشکل ہے، **لَا مَنَعُ حُرْمَتِ اٰیَاتِنَا**، مگر اس آیت کو ہلکا کرنا ہلاک ہونے کی صورت میں لعنت زدہ ہو کر تو اپنے رجبہ سامنے پیش نہیں کیے جائیں گے جو لوگ جماعتِ اسلامی میں ملے ہوئے ہیں انہیں نہ صرف خود استغفار کرنا چاہیے بلکہ ان کا فرض ہے کہ ان تھک جمد و جدید کے ساتھ اللہ کے بندوں کو اس لعنت اور عذاب سے بچانے کی کوشش کریں۔ یہ وقت ان کے لیے انتہائی سعی و عمل کا ہے۔ جس قبل کی شہادت انھوں نے دی ہو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس تھوڑی سی فرصت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں اور جہاں تک ممکن ہو اپنے گرد پیش کے انسانوں کو توحید کی دعوت دیں۔

مزید برآں اس وقت جماعت کے پیش نظر یہ سول بھی نہایت اہم ہے کہ دین حق کی خدمت کے لیے جو تھوڑی سی جمیعت ہم نے ہم پہنچائی، وہ درندگی کے اس ہنگام میں منتشر نہ ہو جائے۔ لہذا اس سلسلہ میں مقامی جماعتوں کے اہلکار کو ہدایات بھیجی جا رہی ہیں، ہم اپنی زندگی کو اور اپنی تمام قوتوں کو اللہ کی راہ میں وقف کر چکے ہیں، لہذا ہم ان کو راہِ خدا کے سو کسی کام میں ضائع کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ جس حد تک اس وقت انہیں اللہ کے کام میں ہمتاں کرنے کا موقع ہے، ہم پورا پورا ہمتاں کریں گے اور جس حد تک اس وقت موقع نہیں ہے، آئندہ کسی بہتر فرصت کے لیے ان کو محفوظ رکھیں گے۔